مخلصین جماعت کو جلسہ سالانہ میں بکثرت شریک ہو کر

دارُالامان کے فیوض و برکات سے حصہ لینا چاہیئے

سادہ زندگی اختیار کرو کہ یہ اُس اسلامی تمدّن کا نقطۂ مرکزی ہے جسے اسلام دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے

(فرمودہ ۱۸/ دسمبر ۱۹۳۶ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

پہلے تو میں باہر کے دوستوں کی توجہ کیلئے اس امر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس سال چندوں میں کئی رنگ میں زیادتی ہوئی ہے اور اتنی زیادتی ہوئی ہے کہ سلسلہ کی تاریخ میں اس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ مثلاً تین تحریکیں خصوصیت کے ساتھ اس سال نہایت اہم ہوئی ہیں ایک تو دوستوں میں یہ تحریک کی گئی تھی کہ وہ اپنا حصہ وصیت یا عام چندہ پہلے سے زیادہ کر دیں۔ اس پر بعض دوستوں نے دسواں حصہ دینے کے بجائے نواں حصہ دینا شروع کر دیا ہے اور بعض نے نواں حصہ دینے کی بجائے آٹھواں حصہ دینا شروع کر دیا ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ۔ اسی طرح جو دوست پہلے چار پیسے فی روپیہ چندہ دیا کرتے تھے انہوں نے اب پانچ پیسے فی روپیہ کے حساب سے چندہ دینا شروع کر دیا ہے اور بعضوں نے اس سے بھی زیادتی کی ہے گویا چندہ عام کو مدّنظر رکھتے ہوئے جو چندہ دوست پہلے دیتے تھے کم سے کم اُس کا سَوایا انہوں نے کر دیا ہے اور اس

طرح ۲۵ فیصدی زیادتی ہوگئی ہے۔ پھر اس سال جلسہ سالانہ کے چندہ کے علاوہ مساجد اور مہمان خانہ کیلئے بھی چندہ جمع کیا جاتا رہا ہے اور یہ چندہ بھی پہلے سالوں میں نہیں تھا۔ علاوہ ازیں اس سال تحریک جدید کے چندہ کے متعلق میں نے تحریک کی ہے کہ دوست پہلے سالوں سے زیادہ دیں اور گو یہ تحریک اختیاری ہے لیکن پھر بھی جماعت کی ایک معقول تعداد اس میں حصہ لیتی ہے اور جماعت کے ایک حصہ کی مالی حالت پر ضرور اس کا اثر پڑتا ہے اور ایسے دوستوں سے جب خواہش کی گئی ہے کہ وہ پہلے سالوں سے زیادہ چندہ دیں تو جو لوگ اس پر لَبَّیْکَ کہیں گے یقیناً ان کے اموال پر پہلے سے زیادہ بوجھ پڑے گا۔

غرض اس سال کئی تحریکیں اکٹھی جمع ہوگئی ہیں اور یہ سال ہماری جماعت کیلئے ایک خاص آزمائش کا سال ہے۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ جماعت کے بعض دوست اس خیال سے کہ مالی بوجھ اس سال ان پر بہت زیادہ پڑا ہے جلسہ سالانہ کے موقع پر آنے میں کوتاہی کر جائیں۔ پس میں دوستوں کو کہتا ہوں کہ وہ اس سال کو اپنا ایک ابتلائی سال سمجھ لیں کہ جس میں خدا تعالیٰ نے انہیں خصوصیت سے زیادہ قربانیاں کرنے کا موقع دیا ہے اور خیال رکھیں کہ جہاں انہوں نے باقی قربانیاں کی ہیں وہاں ایک قربانی یہ بھی کرلیں کہ جلسہ سالانہ میں شامل ہوکر ان دنوں کے فیوض و برکات سے حصہ لیں سوائے اُن لوگوں کے جو اہم مجبوریوں کی وجہ سے نہ آسکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری جماعت کے سارے لوگ جلسہ سالانہ میں شامل نہیں ہوسکتے لیکن کچھ تعداد ایسے لوگوں کی ضرور ہے جو ہر سال جلسہ سالانہ کے موقع پر آتے ہیں اور باقی لوگ ایسے ہیں جن میں سے باری باری ہر سال ایک دو فیصدی آجاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ضرورت کے موقع پر سلسلہ کے لئے زائد بوجھ اُٹھانے والے زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں جو پہلے سے ہی زیادہ قربانیاں کررہے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر چندوں کی زیادتی کی فہرست دیکھی جائے اور ان لوگوں کی فہرست دیکھی جائے جنہوں نے اپنی وصیت میں اضافہ کیا تو معمولی نظر سے ہی معلوم ہوجائے گا کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے چندہ تحریک جدید بھی زیادہ دیا ہے۔ درحقیقت قربانی کی بھی ایک روح ہوتی ہے جس میں پیدا ہوجائے اس سے سب کام کرالیتی ہے۔ دل کی گرہ جس وقت اللہ تعالیٰ کھول دیتا ہے تو پھر اس کا نشان ہر جگہ مل جاتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خدا تعالیٰ کی

طرف سے الہام ہؤا ہے کہ میں نبی ہوں ابوبکرؓ نے کہا ٹھیک ہے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا نبی مانتا ہوں، محمد ﷺ نے فرمایا ہمیں دین کیلئے چندہ کی ضرورت ہے لوگوں کو چاہئے کہ وہ مال دیں ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال لاکر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا ٹھیک ہے خدمت دین کا یہی موقع تھا، محمد ﷺ نے فرمایا مجھے لڑائی کا حکم ہؤا ہے ابوبکرؓ تلوار باندھ کر آ گئے اور کہا چلئے میں تیار ہوں، محمد ﷺ نے سابقہ حکم کے بالکل اُلٹ صلح حدیبیہ کے موقع پر فرمایا ہمارا منشاء ہے کہ لڑائی نہ کریں بلکہ صلح کرلیں۔ سب کے ماتھے پر شکن آئے یہاں تک کہ عمرؓ کے ماتھے پر بھی مگر ابوبکرؓ نے کہا ٹھیک ہے یونہی ہونا چاہئے اور صلح ہی بہتر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کی روحانیت کی گِرہ کشائی ایسی کر دی تھی کہ جو آواز بھی محمد ﷺ کی طرف سے آتی وہ کہتے یہی ہونا چاہئے۔

ایک اور شخص کا حال بھی حدیثوں میں آتا ہے ایک شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا وہ مؤمن نہیں تھا اس نے آپ کا نام لے کر کہا آپ نے میرے کچھ روپے دینے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ تو میں نے ادا کر دیئے تھے اس نے کہا نہیں مجھے کوئی ادا نہیں ہوئے۔ اس پر ایک صحابیؓ کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میں اس بات کا گواہ ہوں کہ آپ نے روپے ادا کر دیئے ہیں۔ اس شخص کا خیال تھا کہ روپوں کی ادائیگی کا کوئی گواہ نہیں ہوگا لیکن جب ایک صحابیؓ نے گواہی دے دی تو چونکہ وہ جھوٹ بول رہا تھا اور ناجائز طور پر تقاضا کر رہا تھا اس لئے اس نے مان لیا اور کہنے لگا ہاں مجھے یاد آ گیا ہے آپ نے مجھے روپے دے دیئے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے حیرت سے اس صحابیؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا تم اس موقع پر کب تھے؟ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میرے وہاں ہونے کی کیا ضرورت تھی آپ روز کہتے ہیں خدا تعالیٰ آسمان سے مجھ پر وحی نازل کرتا ہے اور میں اسے مان لیتا ہوں کیا میں اُس وقت آسمان پر موجود ہوتا ہوں؟ اسی طرح جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے روپیہ ادا کر دیا ہے تو میں اس کی بھی گواہی دے سکتا ہوں۔ اب دیکھو کہ چونکہ اس صحابی کی گواہی ایمانی طاقت کے ساتھ تھی اس کا دشمن پر بھی اثر ہؤا اور اس نے تسلیم کر لیا کہ میری ہی غلطی تھی۔ تو صرف دل کی گِرہ کھلنے کی دیر ہوتی ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کسی انسان کے دل کی گِرہ کھول دیتا ہے تو ہر بات میں اس کیلئے آپ ہی آپ راہنمائی نکلتی آتی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں ان اخراجات کے ساتھ دوستوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جلسہ سالانہ پر آنے کا بھی ایک زائد خرچ ہے

جو انہیں برداشت کرنا پڑے گا بلکہ اس سال رمضان بھی ختم ہو چکا ہے گزشتہ تین سالوں میں رمضان کے ایام میں دوسرے لوگوں کو ساتھ لانا مشکل ہؤا کرتا تھا کیونکہ ہم جو جلسہ سالانہ کی مذہبی اہمیت سمجھتے ہیں غیر احمدی نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جلسہ پر جا کر رمضان کیوں خراب کریں۔ مگر اب رمضان کا مہینہ گزر چکا ہے اور جلسہ غیر رمضان میں آئے گا دوستوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے ایسے رشتہ دار یا دوست جو گو احمدی نہیں لیکن شریف اور دیانت دار ہیں انہیں بھی ساتھ لائیں مگر یہ خیال رہے کہ ان لوگوں کی مثال پر عمل نہ کیا جائے جو دوسروں کو اپنے ساتھ لانے کے شوق میں ایسے لوگوں کو بھی لے آتے ہیں جو سلسلہ کے شدید مخالف ہوتے ہیں اور جن کی غرض فتنہ وفساد ہوتی ہے حالانکہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ایسے لوگوں کے لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر اور موقع پر وہ قادیان آئیں تو انہیں بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن جلسہ سالانہ کے موقع پر ایسے لوگوں کو ساتھ لانا چاہئے جو شریف الطبع اور تحقیق کا شوق رکھنے والے ہوں کیونکہ ان دنوں تمام لوگ مشغول ہوتے ہیں اور صرف وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو جلسہ سالانہ سے فائدہ اُٹھانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ جو لوگ شوخ طبع اور چالاک ہوں ان کیلئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان سے پرائیویٹ ملاقاتیں کی جائیں اور بحثیں کی جائیں اور چونکہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ان باتوں کیلئے فرصت نہیں ہوتی اس لئے ان ایام میں انہیں ہمراہ لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد میں تحریک جدید کی طرف پھر متوجہ ہوتا ہوں۔ اوّل تو میں دوستوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بعض جماعتوں نے اس سال کی تحریک کے متعلق اس لئے کہ ان کی جماعت کا نام جلدی پہنچ جائے نامکمل فہرستیں بھیجنی شروع کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ اب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ان کی جماعت کے دوستوں کی طرف سے وعدے موصول ہو رہے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جلدی کی نیکی ہی اعلیٰ نیکی ہوتی ہے مگر نامکمل نیکی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا جو لوگ جلدی مکمل فہرستیں نہ بھیج سکتے تھے ان کیلئے یہی بہتر تھا کہ وہ اپنی جماعت کے باقی ساتھیوں کا انتظار کر لیتے اور مکمل فہرستیں بھیجتے۔ میں دیکھتا ہوں بعض جماعتوں کی طرف سے پانچ پانچ چھ چھ چٹھیاں آ رہی ہیں اور لکھا جا رہا ہے کہ اب ہماری یہ لسٹ ہے اور اب یہ لسٹ ہے۔ ایسے لوگ اگر چند دن انتظار کر لیتے تا کہ دوسرے دوست بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ان کے سابق ہونے میں کوئی فرق نہ آتا۔

میں نے گزشتہ سال اپنے کسی خطبہ میں بیان کیا تھا کہ جو شخص اس لئے انتظار کرتا ہے کہ دوسرے دوست بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں اُس کی سبقت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا کیونکہ انہوں نے جس دن چندہ کی ادائیگی کی نیت کر لی خدا تعالیٰ کے حضور ان کا نام سابق لوگوں میں لکھا گیا خواہ ہمارے پاس وہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد پہنچے۔ سابق قرار دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے میرا نہیں۔ بالکل ممکن ہے ایک شخص میرے پاس آئے اور سو روپیہ چندہ دے اور میں اس کی بڑی قدر کروں اور ایک دوسرا شخص آئے جو پانچ روپے دے اور میں یہ اندازہ نہ کر سکوں کہ اس نے کتنی بڑی قربانی کے بعد پانچ روپے دیئے ہیں اور خدا کے نزدیک اس کی قربانی زیادہ قرار پا جائے ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل نمبر پر پانچ روپے چندہ دینے والا ہی لکھا جائے گا نہ کہ سَو روپیہ چندہ دینے والا۔ اسی طرح ایک شخص جلدی سے خط بھیج دیتا ہے مگر دوسرا شخص انتظار کرتا ہے تا اس کے باقی بھائی بھی اس میں شامل ہو جائیں تو اگر وہ اس احتیاط کی وجہ سے دیر لگاتا ہے کہ وہ عمدگی سے کام کرے اور اس کی ارسال کردہ فہرست ہر لحاظ سے مکمل ہو تو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں وہی سابق ہے۔

میرا اس احتیاط کی تاکید سے یہ مطلب نہیں کہ جو جلد وعدے بھجوا سکتے ہوں وہ بھی جلدی نہ کریں یقیناً جو جماعتیں مکمل اور جلدی وعدے بھجوا سکیں انہیں ایسا کرنا چاہئے کیونکہ وہ شوکتِ اسلام کے ظاہر کرنے میں مُمِد ہوتی ہیں۔ اگر خلیفہ کے اعلان کے معاً بعد کثیر تعداد میں وعدے وصول ہونے لگیں تو دوسرے لوگوں پر یقیناً اس کا اثر پڑتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ دیکھو یہ جماعت کس طرح اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتی ہے۔ میری نصیحت صرف ان جماعتوں سے تعلق رکھتی ہے جو صرف جلدی کو مدّنظر رکھتی ہے تکمیل کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس سال کے وعدے قلیل زمانہ میں پہلے سالوں سے زیادہ موصول ہو چکے ہیں۔ گزشتہ سال پہلے مہینے میں پچاس ہزار کے وعدے موصول ہوئے تھے لیکن اس دفعہ پندرہ دن میں اسّی ہزار کے قریب کے وعدے وصول ہوئے ہیں جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پہلے دو سال کام کرنے سے یہ کام زیادہ منظّم ہو چکا ہے اور جماعتیں جلد وعدوں کی فہرست کو پورا کر لیتی ہیں اور دوسری یہ کہ جنہوں نے گزشتہ سالوں میں قربانیاں کی تھیں ان کے اخلاص کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زیادہ سہولت سے اور جلدی

قربانی پیش کرنے کی اس سال توفیق دے دی ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ جو کوئی اس کی راہ میں قربانی کرے وہ اسے مزید قربانیوں کیلئے زیادہ جوش بخش دیتا ہے اور پچھلی قربانیوں کا ثواب اس رنگ میں بھی اسے ملتا ہے کہ اور قربانیوں کی توفیق اسے مل جاتی ہے۔

میں یہ بھی اعلان کر دیتا ہوں کہ اس سال گزشتہ سال کے مقابل پر چونکہ پندرہ دن بعد میں نے تحریک کی ہے اس لئے اس سال کی تحریک کے وعدوں کے اختتام کا وقت ہندوستان کے لئے ۳۱ رجنوری ہے۔ گویا ہندوستان کی تمام جماعتوں کے وعدے ۳۱ رجنوری تک پہنچ جانے چاہئیں اور ہندوستان سے جو باہر کی جماعتیں ہیں ان کیلئے چونکہ زیادہ وقت درکار ہوتا ہے اس لئے انہیں جون کے آخر تک مُہلت ہے۔

میں نے گزشتہ سال بھی یہ اعلان کیا تھا اور متواتر کیا تھا کہ بیرونِ ہند کی جماعتوں کی وصولی کی تاریخ بھی جون کے آخر تک ہے لیکن معلوم ہوتا ہے انہوں نے ان اعلانات کو پڑھا نہیں اور اب تک بیرونی جماعتوں کی طرف سے تحریکیں ہو رہی ہیں کہ ہمیں چندوں کی ادائیگی کیلئے مزید مہلت ملنی چاہئے حالانکہ ان کیلئے پہلے سے جون کے آخر تک کا وقت مقرر ہے اور جنوری کے آخر تک کا وقت ہندوستان والوں کیلئے ہے جن کے وعدوں کی مدت ۱۵ رجنوری تک ختم ہوتی تھی۔ پس وصولی کی مدت بھی اگلے سال کی اسی تاریخ پر ختم کی گئی۔

اس کے بعد میں دوستوں کو تحریک جدید کے اس حصہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو سادہ زندگی اختیار کرنے کا ہے میں نے اس کی طرف متواتر جماعت کو توجہ دلائی ہے اور علاوہ تحریک کے ایام کے دوسرے وقتوں میں بھی توجہ دلائی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جہاں تک اسلام پر غور کرتا ہوں مجھے اس کے تمدّن کا یہ نقطۂ مرکزی نظر آتا ہے اور میں سمجھتا ہوں ہزاروں قومی خرابیاں تکلفات سے پیدا ہوتی ہیں۔ غریب اور امیر کا فرق یا تمدّنی تعلقات کی ترقی یہ سب مبنی ہیں سادہ زندگی یا پُر تکلف زندگی پر۔ جیسی جیسی کسی انسان یا قوم کی زندگی ہو اس کے مطابق قومی تعلقات اور تمدّنی تعلقات ترقی کرتے یا تنزّل کرتے ہیں۔ خالی یہ سوال نہیں کہ خود انسان کیا کھاتا ہے یا کیا پہنتا ہے بلکہ سوال یہ بھی ہے کہ اُس کے کھانے اور اس کے پہننے کا اثر اس کی روحانیت اور اس کی قوم پر کیا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جن کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے

دوستوں کی دعوت کریں لیکن وہ اس لئے ان کی دعوت نہیں کر سکتے کہ اگر دعوت کی تو شاید ان کی حیثیت کے مطابق انہیں کھانا نہ کھلا سکیں۔ کئی امراء اس لئے اپنے غریب بھائیوں کی دعوت قبول نہیں کرتے کہ وہ ان کے مزاج کا کھانا انہیں نہیں کھلا سکیں گے۔ لیکن اگر کھانے میں رسول کریم ﷺ کی سنّت کے مطابق وہی طریق جاری ہو جائے جو ہم تحریک جدید کے ماتحت اختیار کئے ہوئے ہیں کہ صرف ایک کھانا پکایا جائے تو نہ دعوت کرنے والے پر کوئی بار پڑتا ہے اور نہ دعوت قبول کرنے والا کوئی ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ دعوت کرنے والا سمجھتا ہے کہ میرا کوئی زائد خرچ تو ہونے نہیں لگا اور دعوت قبول کرنے والا سمجھتا ہے کہ گھر میں بھی تو میں نے ایک ہی کھانا کھانا ہے آؤ آج اس کی دعوت ہی قبول کر لیں اور وہ کون سا ایک کھانا ہے جس کے متعلق کسی کو دعوت کرنے کا تو خیال آجائے مگر وہ تیار نہ کر سکے۔ آخر وہ شخص جو فاقے کرتا ہوا ُسے تو دعوت کرنے کا خیال نہیں آسکتا۔ دعوت کا خیال جسے آسکتا ہے وہ بہرحال ایک کھانا تیار کر سکتا ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جسے دوسرے کی دعوت کرنے کا تو خیال آئے مگر ایک کھانا بھی نہ تیار کر سکے۔ پس اس ذریعہ سے امراء اور غرباء کے تعلقات میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور اسلام جس برادری کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے وہ قائم ہو جاتی ہے۔ یہی حال لباس کا ہے لباس کی نظافت اور صفائی اور چیز ہے لیکن اگر کچھ لوگ اپنے گھروں کو کپڑوں سے بھر لیں اور روپیہ ایسی چیزوں پر خرچ کرنا شروع کر دیں جو ضروری نہیں۔ مثلاً گوٹے کناریاں ہیں، فیتے ہیں، ٹھپے ہیں تو ان چیزوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی دولت ایسی جگہ خرچ ہوتی ہے جس جگہ خرچ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہماری شریعت نے اسی لئے روپیہ جمع کرنے سے منع کیا ہے جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ لگا دی ہے اور زکوٰۃ لگا کر کہہ دیا ہے کہ تم بے شک روپیہ جمع کرو مگر ہم چالیس پچاس سال کے اندر اندر اسے ختم کر دیں گے۔ تو شریعت نے ہم کو روپیہ جمع کرنے سے اسی لئے منع کیا ہے کہ جو روپیہ جمع ہوتا ہے وہ لوگوں کے کام نہیں آسکتا اور دنیا کی تجارتوں کو نقصان اور کارخانوں کو ضُعف پہنچتا ہے تو نہ شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ روپیہ ضائع کرو اور نہ اس بات کی اجازت دی ہے کہ روپیہ کو اس طرح سنبھال کر رکھ لیا جائے کہ وہ لوگوں کے کام نہ آئے۔ ان دونوں باتوں پر غور کرنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ یہی کہ سادہ زندگی بسر کرو اور روپیہ اس طرح خرچ کرو کہ لوگوں کو

فائدہ پہنچے۔ مثلاً تجارتیں کرو کیونکہ تجارت میں ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ بعض کو نوکریوں کے ذریعہ فائدہ پہنچ جاتا ہے، بعض کو دلالی کے ذریعہ سے، بعض کو حرفت کے ذریعہ سے۔ ہاں اسلام نے یہ بھی کہہ دیا کہ فضول باتیں نہ کرو کیونکہ اس سے غرباء کے دلوں میں حرص پیدا ہوتی ہے اور ان کے قلوب کو تکلیف پہنچتی ہے۔ مثلاً شادیوں کے موقع پر بڑی تباہی اِس وجہ سے آتی ہے کہ لوگوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکے والے بَری دکھاتے ہیں اور لڑکی والے جہیز دکھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب لڑکیاں جوان چیزوں کو دیکھتی ہیں وہ یا تو دل ہی دل میں کڑھتی آتی ہیں یا اگر بیوقوف ہوں تو ماں کو آ کر چمٹ جاتی ہیں کہ ہمارے لئے بھی ایسی چیزیں تیار کی جائیں۔ اسی طرح مردوں میں سے کئی جب اس قسم کے نظارے دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ جب ہماری شادی ہوگی تو ہم بھی ایسا ہی کریں گے حالانکہ اوّل تو امارت کے یہ معنی ہی نہیں کہ روپیہ ضائع کیا جائے ہاں چونکہ شادیاں خوشی کا موقع ہوتی ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ ایسے موقع پر کچھ خرچ کیا جائے کیونکہ ایسے موقع پر خرچ کرنا گناہ نہیں بلکہ لڑکی کا دل رکھنا مرد کیلئے نہایت ضروری ہے لیکن اس کیلئے وہ طریق اختیار نہیں کرنا چاہئے جو بداثر ڈالے اور غرباء کیلئے تکلیف کا موجب بنے۔ اگر مسلمان قرآن کریم کا علم رکھتے تو وہ سمجھتے کہ قرآن کریم نے ایسے دکھاوے سے منع کیا ہؤا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے **لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهَا** [1] اگر کسی کو ایسی چیزیں ملیں تو تم ان کی طرف جھانکا نہ کرو اور نہ اپنے دل کو اس طرح میلا کیا کرو۔ پس اگر دکھانے والے دکھاتے اور دیکھنے والے انکار کر دیتے اور کہہ دیتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے **لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ** کہ اگر کوئی دولتمند ہوں اور وہ اپنی چیزیں دکھا کر تمہارا دل دکھانا چاہیں تو تم وہ چیزیں دیکھا نہ کرو اور اپنے خدا کی طرف نظر رکھا کرو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا **رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ** [2] کہ اے میرے ربّ! میں محتاج تو ہوں مگر میں محتاج ہو کر بندوں کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا بلکہ تیری طرف دیکھتا ہوں۔ پس تیری طرف سے جو آ جائے اسے میں قبول کرنے کیلئے تیار ہوں تو نہ انہیں تکلیف ہوتی اور نہ وہ اندر ہی اندر کُڑھتے۔ پس ان رسوم کے نتیجہ میں کمزور طبائع پر بُرا اثر پڑتا ہے لیکن اگر ملک میں سادہ زندگی

آ جائے تو یقیناً بہت سی دولت بچ جائے گی جو غرباء اور ملک کی ترقی کے کام آئے گی اور اس طرح آہستہ آہستہ تمام ملک یا جماعت ایسے مقام پر آ جائے گی کہ غریب اور امیر کا فرق بہت کم ہو جائے گا۔ یوں شریعت نے دولت کمانے سے منع نہیں کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے وہ جب فوت ہوئے تو انہوں نے اڑھائی کروڑ روپیہ کی جائداد چھوڑی اُس زمانہ میں تو روپیہ کی قیمت بہت کم تھی لیکن آج بھی جبکہ روپیہ کی قیمت گری ہوئی ہے مسلمانوں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس قدر جائداد رکھتے ہیں لیکن خود ان کی اتنی سادہ زندگی تھی کہ ان کا روزانہ خرچ چار آنے ہوا کرتا تھا اور وہ اپنی آمد کا اکثر حصہ غرباء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے یہ زندگی تھی جو اسلامی زندگی تھی۔ اسلام نے انہیں کمانے سے منع نہیں کیا تھا انہوں نے کمایا اور کما کر بتا دیا کہ یوں کمایا کرتے ہیں لیکن دوسری طرف چونکہ اسلام کا یہ بھی حکم تھا کہ اپنی زندگی کو ایسا پُر تکلف نہ بناؤ کہ جو کچھ کماؤ وہ سب اپنی ذات پر خرچ کر دو اور غرباء کیلئے کچھ نہ رہنے دو اس لئے وہ باوجود دولتمند ہونے کے غریب رہے اور یہی چیز ہے جس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ فلاں شخص قربانی کر رہا ہے۔

جب تک مسلمانوں میں ایسے لوگ رہے جو کمانے والے اور غرباء پر خرچ کرنے والے تھے اس وقت تک مسلمانوں میں غربت کا وہ زور نہ تھا جو آجکل ہے لیکن جب کمانے والے نہ رہے یا ایسے کمانے والے پیدا ہو گئے جنہوں نے سب روپیہ اپنے ہاتھوں میں جمع کر لیا اور سوائے اپنی ذات اور ضروریات کے اور جگہ خرچ نہ کیا تو مسلمانوں پر تباہی آ گئی۔ چنانچہ آجکل مسلمانوں کی تباہی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اوّل وہ کماتے نہیں جہاں دیکھو مسلمان بیکار ہی بیکار دکھائی دیتے ہیں اور اگر انہیں کوئی کام کرنے کو کہا جائے تو اس میں وہ اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا باپ ایسا تھا پس جب تک ہمیں باپ جیسا عہدہ نہ ملے گا ہم کام نہیں کریں گے۔ اسی طرح زمیندار ہیں وہ تو نوکریاں نہیں کریں گے یا کوئی اور پیشہ اپنی روزی کمانے کیلئے اختیار نہیں کریں گے اور جب انہیں کہا جائے کہ کیوں کوئی کام نہیں کرتے تو کہہ دیں گے ہم زمیندار ہیں ہم کوئی اور پیشہ کس طرح اختیار کر سکتے ہیں۔ پس وہ کوئی پیشہ اختیار نہیں کریں گے، کوئی فن نہیں سیکھیں گے، کوئی اور ذریعہ اپنی روزی کمانے کیلئے اختیار نہیں کریں گے، بھوکے مریں گے، اپنی صحت خراب

کرلیں گے، اپنی بیوی اور بچوں کی صحت تباہ کرلیں گے لیکن کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ زمیندار ماں اپنے بچہ کو بھوکے رہنے کی وجہ سے خون پلاتی جائے گی مگر وہ اسی گھمنڈ میں رہیں گے کہ ہمارا باپ زمیندار تھا ہم موچی کا کام کس طرح کرسکتے ہیں، ہم نجاری اور معماری کا کام کس طرح کرسکتے ہیں، ہم جولاہوں کا کام کس طرح کرسکتے ہیں۔ پس مسلمانوں کی تباہی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ وہ کام نہیں کرتے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ ان میں سے جو کام کرتے ہیں وہ سارا روپیہ اپنے گھروں میں رکھ لیتے ہیں غرباء پر اسے خرچ نہیں کرتے حالانکہ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ کمائی کریں اور اس میں سے کچھ اپنی ذات پر خرچ کریں اور کچھ دوسرے لوگوں پر صرف کریں۔ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [۲] کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو نعمت تمہیں ملے اسے دنیا میں پھیلاؤ۔ تحدیث دو ہی طرح ہوسکتی ہے ایک یہ کہ کچھ اپنی ذات پر اس روپیہ کو خرچ کیا جائے اس سے بھی لوگوں کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اسے نعمت ملی ہے اور کچھ غریبوں میں تقسیم کرے اس سے بھی لوگوں کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اس کے پاس دولت ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی گُر بتایا ہے کہ یہ گُر بغیر سادہ زندگی اختیار کئے کام نہیں آسکتا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ باوجود بار بار توجہ دلانے کے ہماری جماعت کا ایک حصہ ابھی ایسا ہے جس نے اس کی قیمت کو نہیں سمجھا۔ کئی کئی طریق پر دوست اس سے پہلو تہی کرلیتے ہیں۔ گزشتہ سفر کے موقع پر ہی ایک دوست نے پوچھا (وہ نہایت مخلص احمدی ہیں مگر چونکہ پُرانی عادتیں زیادہ کھانا کھانے کی پڑی ہوئی ہیں اس لئے بعض افراد کی طبیعت کسی نہ کسی آڑ میں اس مطالبہ سے پہلو تہی کا جواز تلاش کرنا چاہتی ہے) کہ میں تحریک جدید پر تو عمل کرتا ہوں لیکن اس طرح کہ ہم ایک جگہ چار آدمی ہیں ہم چاروں ایک ایک کھانا پکوا لیتے ہیں اور پھر سب مل کر کھا لیتے ہیں اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ میں نے کہا چار کھانے تو آج کل ایک وقت امراء بھی نہیں کھایا کرتے آپ کس طرح چار کھانے کھا کر سمجھتے ہیں کہ آپ نے تحریک جدید کے اس مطالبہ پر عمل کرلیا۔ اب دیکھو انہوں نے اپنی طرف سے تحریک جدید پر بھی عمل کیا اور چار کھانے بھی کھا لئے پھر میں نے انہیں کہا میں صرف یہی نہیں چاہتا کہ ایک کھانا پکانے کی وجہ سے لوگوں کو اخراجات میں کفایت رہے بلکہ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ زبان کے چسکا کی عادت نہ پڑے۔ اب چار کھانے

کھانے سے چسکا بڑھ سکتا ہے کم نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ گھر میں کھانا پکاتے تو زیادہ سے زیادہ دو پکاتے لیکن مل کر کھانے کی وجہ سے چار کھانے کھالئے گئے اور یہ بھی سمجھ لیا گیا کہ تحریک جدید پر عمل ہو رہا ہے۔ اسی طرح کئی لوگ اس رنگ میں ایک سے زیادہ کھانا کھا لیتے ہیں کہتے ہیں کہ تحفہ آ گیا ہے بیشک کبھی کبھار کا تحفہ تحفہ ہے اور اس کے استعمال میں خصوصاً تحفہ بھیجنے والے کا دل رکھنے کیلئے حرج نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ثواب ہے لیکن اگر دو ہمسائے آپس میں ایک دوسرے کے گھر کھانے بھجوانے کی عادت ڈال لیں تو ایسے کھانے کا عام استعمال یقیناً تحریک جدید کا غلط استعمال ہوگا۔

غرض تحفوں میں احتیاط کی ضرورت ہے اگر اس بارہ میں تحریک کی حقیقت کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو شاید ہمارے گھر میں تو اس تحریک پر کبھی عمل نہ ہو سکے کیونکہ ہمارا تعلق اور رشتہ روحانی خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑا وسیع ہے اور کوئی نہ کوئی تحفہ ہمارے گھروں میں روز آ جاتا ہے اس لئے ہمیں تو تحفہ کے استعمال میں بھی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ گزشتہ دو سال میں چار پانچ مرتبہ سے زیادہ ایسا اتفاق نہیں ہوا جہاں سے تحفہ آیا اور میں نے سمجھا کہ اس موقع پر دل رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اسے استعمال کر لیا جائے ورنہ عام طور پر جب کوئی تحفہ بھیج دیتا ہے تو یا تو میں اُسی کو استعمال کرتا ہوں گھر کا کھانا نہیں کھایا کرتا یا پھر گھر کا کھانا کھاتا ہوں اور اسے خود استعمال نہیں کرتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں بھیجنے والے نے بھیج دیا اب اسے کیا پتہ کہ میں نے وہ چیز کھائی ہے یا نہیں کھائی اسے تو بہرحال ثواب ہو گیا۔ تو تحفوں میں بھی انسان احتیاط کر سکتا ہے اور تحفہ کو بھی وہیں کھانے کی ضرورت ہوتی ہے جہاں ایسا نہ کرنے سے دوسرے کی دل شکنی کا خوف ہو۔ اسی طرح ایک کھانے کے استعمال میں بعض اور استثنائی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً کوئی غیر احمدی دعوت کرتا ہے یا غیر احمدی کی دعوت کی جاتی ہے تو ایسی حالت میں اگر ایک کھانا کھایا جائے تو وہ سمجھتا ہے میری ہتک کی گئی ہے۔ پس ایسے موقع پر کوئی شخص ایک سے زیادہ کھانا کھا لیتا ہے تو یہ اور بات ہے۔ اس قسم کی ایک دعوت مجھے بھی ایک دفعہ پیش آئی ایک جگہ بہت سے غیر احمدی معززین کو بلایا گیا تھا اور انہیں مدنظر رکھتے ہوئے کئی کھانے تیار کئے گئے تھے ان معززین کی دلداری کے طور پر مجھے بھی ایک سے زائد کھانے کھانے پڑے ہاں جہاں بے تکلفی ہو وہاں دعوت کرنے والوں کو کہا جا سکتا ہے یا دوسرے مہمانوں کو بتایا جا سکتا ہے کہ ہم ایک ہی کھانا کھائیں گے زیادہ نہیں۔ تو بعض دوست تحریک جدید

کے اس مطالبہ کی اہمیت کو نہیں سمجھتے درحقیقت میری غرض اس تحریک سے صرف عارضی فائدہ حاصل کرنا نہیں بے شک اس کا ایک عارضی فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ جو دوست تحریک جدید کے مالی مطالبات میں حصہ لیں انہیں ایک کھانا پکانے کی وجہ سے مالی تنگی محسوس نہ ہو اور ان کی بشاشت قائم رہے۔ یہ ٹھیک ہے اور اس تحریک میں ایک یہ فائدہ بھی مدنظر ہے لیکن میری اصل غرض یہ ہے کہ ہم دنیا میں اس اسلامی تمدن کو پھر قائم کریں جو محمد ﷺ نے قائم کیا۔ یہ مستقل غرض ہے اور وہ عارضی ہے ہم جب تک اس مستقل غرض کو قائم نہیں کر دیتے اُس وقت تک یقیناً ہم اسلام کی روح کو قائم نہیں کر سکتے۔ اولیاء اللہ نے لکھا ہے کہ اعلیٰ روحانی ترقیات کیلئے کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا ضروری ہے اور کم کھانے سے سادہ زندگی کا بڑا تعلق ہے۔ زیادہ کھانے کھانے والوں کو یہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ وہ کتنا کھا گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک امیر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے بھوک نہیں لگتی کوئی ایسا نسخہ بتایئے جس سے بھوک خوب لگے۔ فرمایا ہم نے اُس کا کچھ دن علاج کیا لیکن ایک دن ہمیں جو اُس کے کھانے پر جانے کا اتفاق ہوا تو کیا دیکھا کہ چالیس کے قریب کھانے اس کے دستر خوان پر جمع ہیں وہ ایک ایک تھالی اُٹھاتا اور ہر تھالی میں سے ایک ایک لقمہ اس غرض کیلئے کھاتا جاتا کہ وہ چکھ کر دیکھے کہ ان میں سے کون سی چیز اچھی پکی ہے اور اپنے کھانے کے متعلق فیصلہ کرے۔ اس کے بعد اُس نے دو چار کھانے پسند کر کے اپنے سامنے رکھ لئے اور چند لقمے کھا کر کہنے لگا مولوی صاحب! دیکھیئے بالکل دل نہیں چاہتا کہ کھاؤں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمانے لگے میں نے اسے کہا اب آپ کا اور کھانے پر کیا دل چاہے چالیس لُقمے تو آپ نے چکھنے کی خاطر کھا لئے ہیں حالانکہ عام طور پر انسان بتیس لقمے کھاتا ہے اور اس پر بھی آپ کو شکایت ہے کہ آپ کو بھوک نہیں لگتی۔ تو زیادہ کھانے کھانے والوں کو یہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ وہ زیادہ کھا رہے ہیں کیونکہ پیٹ کا کچھ حصہ چکھنے سے بھر جاتا ہے اور باقی حصہ چند اور لُقموں سے بھر جاتا ہے تو چونکہ پیٹ میں جتنی گنجائش ہوتی ہے اتنی ہی غذا وہ کھا لیتا ہے اور کھانے ابھی سامنے پڑے ہوتے ہیں اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ میں نے بہت تھوڑا کھایا ہے اور زبردستی اور کھاتا جاتا ہے حالانکہ وہ چکھنے میں ہی بہت کچھ کھا چکا ہوتا ہے۔ تو کم خوری، کم گوئی اور کم سونا یہ روحانی ترقیات کیلئے اولیائے الٰہی ضروری

بتاتے ہیں اور کم کھانے کیلئے ضروری ہے کہ انسان ایک کھانا کھائے زیادہ کھانوں میں کم خوری بہت مشکل ہوتی ہے۔ سو دوستوں کو اس تحریک کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ ہمارے دوست عموماً ایک دوسرے پر نگاہ رکھیں گے اور ان کے اعمال کو تاڑیں گے مگر شکایت کی غرض سے نہیں، جاسوسی کے طور پر نہیں کیونکہ جاسوسی اسلام میں منع ہے بلکہ اس نیت سے کہ دوسرے کی اصلاح ہو اور پھر اس شخص کے علاوہ اور کسی کے پاس ذکر نہ کیا جائے۔ یہ میں پسند نہیں کروں گا کہ لوگ میرے پاس آئیں اور کہیں کہ فلاں شخص دو کھانے کھاتا ہے۔ میں نے ایک کھانا کھانے کا کوئی حکم نہیں دیا میں نے صرف تحریک کی ہے کہ اگر کوئی شخص اس تحریک کے باوجود دو کھانے کھاتا ہے تو اُس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے ممکن ہے وہ اِس تحریک کو ہی فضول سمجھتا ہو اور ممکن ہے کہ وہ کسی خاص وجہ سے دو کھانے استعمال کرتا ہو۔ بہرحال جبکہ میری طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں تو میں نہیں چاہتا کہ اس کی خلاف ورزی پر کسی کو سزا دوں لیکن میں امید کرتا ہوں کہ جہاں تک دوستوں سے ممکن ہے وہ اِس سوال پر غور کریں، وہ میرے دلائل کو سوچیں، وہ اسلام کی تاریخ کو دیکھیں، وہ محمد ﷺ کی زندگی پر نگاہ دوڑائیں اور پھر سوچیں کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو کہ صحیح ہے تو اس پر عمل کریں اور اگر کوئی دوست غفلت میں مبتلاء ہے اور اس کے محلے والا سمجھتا ہے کہ اس کو سمجھانا مناسب ہے تو اسے سمجھائے لیکن اسے بدنام نہ کرے اور نہ اُس کی کمزوری کا کسی اور کے پاس ذکر کرے۔ پس اس نظر سے اگر کوئی دوسرے بھائی کے اعمال کو دیکھے گا تو یہ تجسّس نہیں کہلائے گا۔ تجسّس اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنے بھائی کے حالات معلوم کرنے کیلئے مخفی ذرائع سے کام لے اور پھر لوگوں میں باتیں کرتا پھرے لیکن جب یہ اپنے بھائی کا نقص اپنی ذات تک محدود رکھتا ہے اور کسی اور کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہونے دیتا تو یہ اپنے دوست کا محاسب ہے متجسس نہیں اور دوستوں کا محاسبہ کرنا بڑی نیکی ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ میں نے نگاہ رکھنا کہا ہے تجسّس نہیں کہا اور نگاہ رکھنا اور ہوتا ہے اور تجسّس اور۔ اگر یہ کسی کے مکان پر جاتا اور گھر والے کے بچہ کو بلا کر پوچھتا ہے کہ آج تمہارے ہاں کیا کیا پکا ہے؟ تو یہ تجسّس ہے اور منع ہے لیکن نگاہ رکھنا یہ ہے کہ مثلاً باتوں باتوں میں کسی نے کہہ دیا کہ آج ہم نے گھر میں یہ چیز پکائی ہے تو اس کی باتیں سن کر اسے نصیحت کر دی کہ یہ درست نہیں ایک ہی کھانا کھانا چاہئے۔ پس

اگر دوست اس کا خیال رکھیں تو میں سمجھتا ہوں یقیناً قومی کیریکٹر میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تبدیلی ہو بھی رہی ہے۔ چنانچہ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں قربانی کی روح اس وجہ سے پیدا ہو رہی ہے مگر قربانی کی روح بھی انہی میں پیدا ہوتی ہے جو بشاشت سے اعمال بجالائیں کیونکہ روحانی امور بشاشت ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو لوگ عمل کریں مگر ساتھ ہی کڑھتے چلے جائیں اور کہتے جائیں کہ جب سے ایک کھانا کھانا شروع کیا ہے کھانے میں مزا ہی نہیں رہا انہیں میں یہی کہوں گا کہ وہ دو ہی کھانے کھائیں کیونکہ ان کا دو کھانے کھانا ایک کھانا کھانے سے زیادہ اچھا ہے۔

پس اس تحریک میں وہی شامل ہو جو اس تحریک کی خوبیوں کا قائل ہو گیا ہو اور اپنی اور اپنی جماعت کی زندگی اس میں محسوس کرتا ہو اور جو شخص ابھی اس مقام پر نہیں پہنچا وہ تجربہ کر کے دیکھ لے اگر ایک کھانا کھانے کے بعد اس کے دل میں بشاشت پیدا نہ ہو تو چھوڑ دے یعنی اگر اس تحریک کی خوبیوں کو نہ اس کا دل مانتا ہو نہ عقل اور وہ تجربہ کر کے فائدہ نہ دیکھے تو اسے چھوڑ دے۔ ہاں وہ شخص جس کی عقل تو نہ مانتی ہو مگر دل مانتا ہو یعنی وہ سمجھتا ہو کہ خواہ میرا نفس کچھ اور کہتا ہے مگر جب میں ایک شخص پر اعتقاد رکھتا ہوں کہ وہ میرا استاد ہے تو اس نے جو کچھ کہا ہو گا درست ہی کہا ہو گا تو ایسے شخص کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن وہ شخص جس کی نہ عقل مانتی ہو نہ دل اور عمل کے بعد بھی اس کی قبض دور نہیں ہوتی وہ اس مطالبہ پر عمل کر کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکے گا سوائے اس کے کہ اس کی صحت خراب ہو اور وہ صبح شام کڑھتا رہے اور کچھ نتیجہ اس کیلئے نہیں نکلے گا۔

میں نے جیسا کہ بتایا ہے یہ معمولی مطالبہ نہیں بلکہ نہایت ہی اہم مطالبہ ہے اور یقیناً جو شخص رسول کریم ﷺ کی زندگی، صحابہ کرامؓ کی زندگی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طریق پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی تعلیم اور اسلامی تعامل یہی ہے۔ باقی رہا یہ کہنا کہ اگر اسلامی تعلیم یہی ہے تو آپ حکم کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں جو عمل کیا جائے وہ بشاشت سے کیا جائے اور اپنی مرضی سے کیا جائے تا کہ ثواب بڑھے۔ جو فوری ضروریات ہوتی ہیں اُن کے متعلق ہم حکم دے دیتے ہیں اور جو فوری امور نہ ہوں ان میں ہم حکم نہیں دیتے بلکہ قوم کو تیار کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں جوں جوں ہماری جماعت اس تحریک پر عمل

کرتی چلی جائے گی ایک طبقہ ایسا پیدا ہو جائے گا جو پھر واپس نہیں جائے گا اور کہے گا ہمارے لئے یہی مقام اچھا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام ایسے تمدّن کو قائم کرنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمدّن سے بالکل مختلف ہے اور یہ اس تمدّن کی پہلی سیڑھی ہے۔ آج اگر ہم اس تمدّن میں تبدیلی نہیں کر سکتے تو جب ہمیں بادشاہتیں ملیں گی اُس وقت کیا کریں گے۔ ابھی تو ہماری جماعت میں سے اکثر لوگ غریب ہیں لیکن جب ہم میں سے اکثر لوگوں نے محنت کرنی شروع کر دی اور سلطنتیں اور حکومتیں آ گئیں تو پھر کتنی خرابیاں پیدا ہو جانے کا احتمال ہے پھر تو وہی چالیس چالیس کھانا کھانے والے لوگ آ جائیں گے جن کا ایک ایک لقمہ چکھ کر پیٹ بھر جائے گا اور شکایت کریں گے کہ انہیں بھوک نہیں لگتی۔ غریب بھوکے مر رہے ہوں گے اور ہماری جماعت میں سے وہ لوگ جن کے پاس بادشاہتیں ہوں گی ان کی کوشش یہ ہوگی کہ ساری دنیا کی دولتیں جمع کریں اور باقی ملکوں کو کنگال اور مُفلس بنا دیں۔ پس اس چھوٹی سی بات کی طرف اگر توجہ نہ کی گئی تو اس کے نتیجہ میں ہم دنیا کیلئے جنت نہیں دوزخ پیدا کرنے کا موجب ہو جائیں گے جیسے یورپ والے آج کل جہاں جاتے ہیں لوگ ان پر لعنتیں ڈالتے ہیں کہ وہ تمام ملکوں کی دولت جمع کر کے لے گئے لیکن اگر وہ اسلامی تعلیم پر عمل کرتے تو جہاں جاتے لوگ ان کے ہاتھ چُومتے اور کہتے آ گئے ہمیں غلامی کی قید سے آزاد کرانے والے۔ پس یہ تقویٰ کی راہ ہے جو میں نے بتائی ہے اور تقویٰ بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ چاہتا ہے آخر بغیر کسی ذریعہ کے ہم تقویٰ کس طرح پیدا کر سکتے ہیں۔ جو جو بدیاں دنیا میں پیدا ہیں اُن کے مٹانے کا کوئی نہ کوئی سامان چاہئے اور انہی سامانوں میں سے ایک یہ ہے کہ سادہ زندگی اختیار کی جائے اور کھانے پینے اور پہننے میں ایسا طریق اختیار کیا جائے جس میں اِسراف نہ ہو اور جس میں ہمارے غریب بھائیوں کا حصہ شامل ہو اور امراء اور غرباء کے تعلقات میں کوئی ایسی دیوار حائل نہ ہو کہ غریب امیر کو بُلانے سے ڈرے اور امیر غریب کی دعوت قبول نہ کر سکے بلکہ ایسا تمدّن قائم ہو جائے کہ ہر شخص دوسرے سے خوشی سے ملے اور تکلّفات جاتے رہیں اور یہ سب کچھ سادہ زندگی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ بیان کیا ہے کہ ہمارے ملک میں پیروں نے لوگوں کو یہ عادت ڈال دی ہے کہ جہاں انہیں کوئی مُرید ملے وہ اپنی جوتی اُتار دے اور میں دیکھتا ہوں کہ باوجود

میرے روکنے کے ہماری جماعت کے بعض دوستوں پر اس کا اب تک اثر ہے اور چوتھے پانچویں کوئی نہ کوئی دوست ایسا ملنے آجاتا ہے کہ وہ ادب سے جوتی اُتارنا شروع کر دیتا ہے۔ بس میری اور اس کی کشتی شروع ہو جاتی ہے میں کہتا ہوں جوتی پہنو اور وہ جوتی اُتار رہا ہوتا ہے۔ تو اسلام یہ چاہتا ہے کہ بنی نوع انسان میں برادرانہ تعلقات پیدا ہوں۔ بے شک ایک بڑا بھائی ہو اور دوسرا چھوٹا لیکن بہرحال اخوت اور برادری ہو اور اخوت ہی اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ غریب کو تم چھوٹا بھائی سمجھ لو اور امیر کو بڑا لیکن امیر اور غریب دونوں بھائی ہیں اور یہی روح ہے جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے اور یہ ادب کے بھی منافی نہیں۔ کیا چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کا ادب نہیں کرتا اور کیا بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کیلئے قربانیاں نہیں کرتا۔ بے شک جب مسند پر بیٹھنے کا وقت آئے تو چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کو جگہ دے گا اور آپ ایک طرف بیٹھ جائے گا لیکن نوکروں کی طرح وہ جوتیوں میں نہیں کھڑا ہوگا یہی چیز ہے جس کو پھر اسلام دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اور یہی دُنیوی جنت ہے جب یہ نہ ہو اور لکیریں کھینچ دی جائیں کہ تم برہمن ہو، تم کھشتری ہو، تم شودر ہو اُس وقت محبت اور پیار نہیں رہتا اور جس کا داؤ چلتا ہے دوسرے کو ذلیل کر کے نکال دیتا ہے لیکن جب برادری قائم ہو جائے تو آپس کے تعلقات خراب نہیں ہو سکتے۔ کوئی چھوٹا بھائی یہ کبھی نہیں کہتا کہ میں اپنے بڑے بھائی کو ماردوں کیونکہ گو اپنے بڑے بھائی کا ادب کرتا ہے لیکن وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ اپنے سکھ کو میرے لئے قربان کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اگر کچھ چھوٹے ہونے کی قیمت ادا ہو رہی ہے تو کچھ بڑے ہونے کی قیمت بھی ادا ہو رہی ہے۔ چھوٹا سمجھتا ہے کہ گو یہ آگے بیٹھتا ہے اور میں پیچھے بیٹھتا ہوں لیکن جب باپ موجود نہ ہو اس کا فرض ہے کہ کما کر چھوٹے بھائیوں کو پالے یا وہ مصیبت میں ہوں تو یہ انہیں بچانے کیلئے جدوجہد کرے یا باپ کی عدم موجودگی میں ان کا حافظ و نگران ہو۔ پس اس پر جو ادب کی قربانی ہے وہ گراں نہیں گزرتی وہ سمجھتا ہے کہ دونوں ہی اپنے مقام کی قیمت ادا کر رہے ہیں وہ ایک طرح دے رہا ہے اور میں دوسری طرح دے رہا ہوں۔ اسی طرح میاں بیوی کا تعلق ہے بیوی کھانا پکاتی ہے اور بظاہر وہ ایک ملازمہ نظر آتی ہے لیکن دوسرے موقع پر اُس کا میاں اُس کی ہر بات مان رہا ہوتا ہے اور بیوی سمجھتی ہے کہ گو میں اس کا کام کرتی ہوں مگر اس کو بھی میری اطاعت کی قیمت دوسری طرح ادا کرنی پڑتی ہے۔ خاوند اس

پر روپیہ خرچ کرتا ہے، خاوند اس سے محبت اور پیار کرتا ہے اور خاوند اس کی تکلیف میں کام آتا ہے۔ پس بیوی اپنے آپ کو نوکر نہیں سمجھتی بلکہ وہ کہتی ہے کہ اگر اپنے تعلق کی ایک قیمت مَیں ادا کررہی ہوں تو میرا خاوند بھی اپنے تعلق کی قیمت ادا کررہا ہے۔ یہی اخوت کا تعلق ہوتا ہے جس میں تمام انسان ایک دوسرے کیلئے قربانیاں کرتے ہیں صرف عمل کے دائرہ میں اختلاف ہوتا ہے ورنہ ہوتی برابری ہی ہے۔ یہ چیز ہے جسے اسلام قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کا ایک ذریعہ تحریک جدید ہے جس میں اپنے ہاتھوں سے کام کرنا، کھانے میں سادگی، لباس میں سادگی اور رہائش میں سادگی رکھی گئی ہے اور یہ عارضی چیزیں نہیں بلکہ مستقل چیزیں ہیں اور دوستوں کا فرض ہے کہ جبر سے نہیں بلکہ پیار سے، محبت سے سمجھا کر، دلائل دے کر لوگوں کو قائل کریں۔ جب یہ باتیں ہماری جماعت کے قلوب میں راسخ ہو جائیں گی تو جب احمدیت کو بادشاہتیں ملیں گی اُس وقت کے بادشاہ بادشاہ بن کر نہیں بلکہ بھائی بن کر حکومت کریں گے اور جہاں جائیں گے لوگ کہیں گے یہ ہمیں اُٹھانے آئے ہیں اور جس جس ملک میں بھی احمدیت پھیلے گی خواہ انگلستان میں پھیلے، خواہ جرمن میں یہ وہاں کا نقشہ بدل کر رکھ دے گی اور وہ جابر حکومتیں نہیں ہوں گی بلکہ خادم حکومتیں ہوں گی اور دنیا کو لُوٹنے کیلئے قائم نہیں ہوں گی بلکہ دنیا کو اُبھارنے کیلئے قائم ہوں گی اور اس ذریعہ سے پھر اسلام کی شوکت اور اس کی عظمت ظاہر ہوگی۔ پس میں اس مطالبہ کی طرف جماعت کو پھر توجہ دلاتا ہوں یہ کوئی معمولی کام نہیں بلکہ نہایت ہی اہم ہے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اس کی طرف خاص توجہ کریں اور اپنے اخلاق کو ایسی طرز پر ڈھالیں کہ وہ نہ صرف ان کیلئے بلکہ ان کے تمام بھائیوں کیلئے رضائے الٰہی کا موجب، سُکھ کا موجب، عزت کا موجب اور نیک نامی کا موجب ہوں۔

(الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

---

۱ طٰہٰ: ۱۳۲ ۲ القصص: ۲۵ ۳ الضحٰی: ۱۲